

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

از حافظ عبدالمنان نور پوری بطرف جناب بشیر احمد سیالکوٹی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

أما بعد! میں نے آپ کے مجلہ ”نداء الإسلام“ کے سال چہارم کے پہلے شمارہ کا مطالعہ کیا، اس میں میں نے جناب دکتور حسین مطاوع الترتوری - حَفِظَهُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، وَبَارَكَ فِي عِلْمِهِ وَعَمَلِهِ، وَوَقَّعْنَا وَإِيَّاهُ لِمَا يُحِبُّهُ وَيَرْضَاهُ - کا مضمون ”قسطوں کی بیع“ پڑھا، جس میں انہوں نے قسطوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی فصل ”مناقشة الأدلة وبيان الرأى“ (دلائل کا مناقشہ اور رائج چیز کا بیان) میں فرماتے ہیں:

رائج - واللہ اعلم - یہی ہے کہ قسطوں کی بیع جائز ہے خواہ اُس میں قیمت زیادہ ہی دینی پڑے؛ بشرطیکہ خرید و فروخت کے وقت شروع میں ہی یہ بات ہو جائے (کہ پیسے تاخیر سے دینے ہیں اور اتنی مقدار میں دینے ہیں)۔ ترتوری صاحب مضمون کے آخر میں فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قسطوں کی بیع جائز ہے.....

### صاحب مضمون کے دلائل:

صاحب مضمون نے اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل چند دلائل بھی پیش کئے ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ﴾ (اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت حلال کی ہے۔) (البقرة: ۲۷۵) کے تحت قسطوں کی بیع بھی داخل ہے۔

۲- اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ باہم رضا مندی سے تجارت ہو۔) (النساء: ۲۹) کے تحت بھی داخل ہے۔

۳- نبی ﷺ کی حدیث: ((لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ إِلَّا عَنْ طَيْبِ نَفْسٍ)). (کسی مسلمان کا مال جائز نہیں مگر اُس کی خوشنودی سے) [مستدرک علی الصحیحین للحاکم کتاب العلم (۳۱۸) سنن دارقطنی کتاب البیوع (۹۲)] سے بھی قسطوں کی بیع کی اجازت ہے۔

۴- اصل میں تمام معاملات، لیکن دین جائز ہیں جب تک کوئی منع کی دلیل وارد نہ ہو، اور جو آدمی کہتا ہے کہ قسطوں کی بیع جائز نہیں اُس کے

پاس کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جس سے قسطوں کی بیع کی ممانعت نکلتی ہو۔

۵- لوگوں کو ایک چیز کی ضرورت ہو اور نقد پیسے نہ ہوں تو آسان قسطوں پر چیز کو اس کے ریٹ سے مہنگا خرید لینے میں ان کو کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (اللہ تعالیٰ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی۔) [الحج: ۷۸] اور فرماتا ہے: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ تنگی نہیں چاہتا۔) [البقرة: ۱۸۵]

۶- اس وقت ایسے محسنوں کی کمی ہے جو اپنے ضرورت مند بھائیوں کو قرضِ حسنہ دے سکیں۔

۷- اس سے سود کا دروازہ بند ہوگا؛ کیونکہ ایک آدمی کو جب ایک چیز کی ضرورت ہو اور اس کے پاس اسے خریدنے کے لئے پیسے نہ ہوں، نہ ہی کوئی قسطوں پر بیچنے کے لئے تیار ہو تو اسے وہ چیز خریدنے کے لئے سود پر پیسے لینے پڑیں گے۔

۸- قیمت میں اضافہ کا جواز تاخیر کا بدل و معاوضہ ہے۔

## دلائل کا تجزیہ:

ان آٹھ دلائل میں کوئی دلیل بھی ایسی نہیں، نہ ہی کوئی اور دلیل ایسی ہے جو صاحبِ مضمون کے دعویٰ ”قسطوں کی بیع کے جواز“ کو ثابت کر سکے۔

”۳، ۲، ۱“ (پہلے تین دلائل تو اس لئے دلیل نہیں بنتے کہ غیر شرعی خرید و فروخت اور تجارتیں سرے سے ان تینوں دلائل کے عموم میں داخل ہی نہیں، اور اگر داخل ہیں تو شریعت نے ان عمومی دلائل سے نکال کر ان کا بطور خاص الگ حکم بتایا ہے؛ ورنہ لازم آئے گا کہ ان کے ساتھ: (۱) شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت۔ (ب) گندم کی خرید و فروخت برابر وزن سے، ایک جانب سے نقد اور دوسری جانب سے ادھار۔ (ج) دونوں جانب سے گندم نقد ہو لیکن ایک فریق زیادہ لے۔ (د) ایک فریق کم لے اور دوسرا زائد لے جبکہ ایک ادھار کرے۔ تو یہ اور اس طرح دوسری بیوع اور تجارتیں اگر رضامندی سے ہو جائیں تو جائز ہونی چاہئیں؟ لیکن ظاہر ہے کہ سود ہیں، تو قسطوں کی بیع بھی صرف رضامندی کی وجہ سے کیسے جائز ہوگئی؟

صاحبِ مضمون بھی اس طرح کی خرید و فروخت اور تجارت کو اس بنا پر جائز قرار نہیں دیتے کہ یہ ان دلائل کے عموم کے تحت داخل ہیں؛ اس لئے کہ شریعت نے ان کو اور اس طرح کی دوسری بیوع اور تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔ اور قسطوں کی بیع بھی انہی بیوع میں سے ہے جنہیں شریعت نے حرام کیا ہے کیونکہ اس میں زیادہ منافع صرف تاخیر کی وجہ سے لیا جاتا ہے۔ اور صرف تاخیر وقت کا منافع شریعت میں جائز نہیں، جس طرح سود (قرض کے سود اور بیع کے سود) کی حرمت کے بہت سے دلائل سے سمجھ آتا ہے۔ پھر قسطوں کی بیع ان بیوع سے ہے جن پر نبی ﷺ کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

(( مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا ))۔ (جس نے ایک بیع (چیز فروخت) کے دو بھاؤ لگائے تو اس کیلئے کم ریٹ اور بھاؤ لینا جائز ہے اور اگر زیادہ لیا تو سود ہوگا۔)

(یہ مسئلہ آگے آرہا ہے، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی).

لہذا ان تین اور ان کے علاوہ دوسرے دلائل سے قسطوں کی بیع کے جواز پر استدلال کرنا درست نہیں۔

۴- چوتھی دلیل اس لئے نہیں بنتی کہ یہاں قسطوں کی بیع کی ممانعت کی مضبوط دلیل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ قسطوں کی بیع کا انحصار اس پر ہے کہ اس میں صرف تاخیر اور دیر سے ادائیگی کرنے پر منافع لیا جاتا ہے اور یہ ایسی بیوع سے ہے جن پر نبی ﷺ کا یہ قول: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا)) صادق آتا ہے

۵- پانچویں پیش کردہ دلیل اس لئے صحیح نہیں کہ اس سے شریعت میں ہر حرام کردہ چیز اس وجہ سے جائز اور حلال ٹھہرے گی کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے مثلاً:

کسی آدمی کو ایک چیز کی ضرورت ہو لیکن خریدنے کیلئے پیسے نقد موجود نہیں، وہ کسی آدمی سے پیسے لے کر چیز خرید لے اور بعد میں اسے پیسے واپس کرے تو اضافی رقم بھی ادا کرے اور یہ معاملہ اور لین دین سود کے باوجود حلال ٹھہرے گا؟ ”نہیں“ ”ہرگز نہیں“۔ لہذا اصل یہی ہے کہ جو چیز شریعت نے حرام کی ہے وہ حرام ہی ہے لوگوں کو اس کی ضرورت پڑے یا نہ پڑے، چیز خریدنے کیلئے نقد قیمت ملے یا نہ ملے۔ اور قسطوں کی بیع حرام بیوع سے ہے، یہ رفع حرج اور ارادہ یسر کے قاعدہ (کہ شریعت میں تنگی نہیں آسانی ہے) کے زمرے میں نہیں آتی۔ جن کے پاس نقد قیمت موجود ہے اور جن کے پاس موجود نہیں سب پر لازم ہے کہ حلال کو لازم پکڑیں اور حرام سے اجتناب کریں، جو آدمی حلال لینا چاہے وہ حرام سے بچ جاتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ((وَمَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ)) (جو پاکدامنی اختیار کرنا چاہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے پاکدامن بنا دیتا ہے اور جو حرام سے بچنا چاہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے حرام سے بچا لیتا ہے۔) [بخاری کتاب الزکاة باب لا صدقة إلا عن ظهر غنا (۱۴۲۸) مسلم کتاب الزکاة باب فضل التعفف والصبر (۱۰۵۳)] اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾. (جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے وہ اس کیلئے کوئی نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے امید بھی نہیں ہوتی اور جو اللہ پر بھروسہ کر لے تو وہ اُسے کافی ہو جاتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے کام کو پورا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ لگا رکھا ہے۔) [الطلاق: ۳] لہذا اللہ تعالیٰ کے یہ فرامین: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: ۷۸] اور ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾. [البقرة: ۱۸۵] اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو دفع حرج اور رفع عسر (تنگی اور اٹھانا اور دور کرنا) کے دعویٰ سے حلال نہیں کرتے، ورنہ لازم آئے گا کہ ہر حرام حلال ہو جائے اور یہ ٹھیک نہیں۔

۶- چھٹی دلیل بھی صحیح نہیں؛ کیونکہ اسے صحیح ماننے سے شریعت کی ہر حرام کردہ چیز اس علت اور وجہ سے حلال ٹھہرے گی کہ جی! ایسے محسنین کی کمی ہے جو لوگوں کو اپنے مال بطور قرض حسنہ دیں۔ اور یہ علت بھی کمزور ہے۔

۷- ساتویں دلیل سے بھی ”قسطوں کی بیع کا جواز“ ثابت نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ: (ا)۔ ”قسطوں کی بیع“ سودی بیع ہے جس میں زائد منافع

ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے ہوتا ہے جو کہ شریعت میں سود کھلاتا ہے۔ (ب)۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِى بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا)). دراصل قسطوں کی بیع میں تھوڑے درہم یا دینار کی زیادہ کے بدلے بیع (خرید و فروخت) ہوتی ہے اور سود اتنا واضح طور پر حیلہ ہے۔ (یہ مسئلہ اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ آگے آ رہا ہے)

لہذا پتہ چلا کہ قسطوں کی بیع سے سود کا راستہ بند نہیں ہوتا بلکہ یہ سود کا بہت بڑا دروازہ خوب کھول دیتی ہے۔

۸- آٹھویں دلیل سے صاحب مقال کا دعویٰ اسلئے ثابت نہیں ہوتا کہ ذکر کردہ دلیل: ”قیمت میں تاخیر کے عوض اضافہ کا جواز“ نہ قرآن سے ثابت ہے نہ نبی ﷺ کی کسی حدیث سے بلکہ یہ صرف دعویٰ ہے۔ ہاں! یہ ضرور ثابت ہے کہ قیمت مؤجل ہونے کی بناء پر نفع لینا (اور اس میں زائد قیمت بھی آگئی) جائز نہیں۔ اور سود کی حرمت کے بہت سارے دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں۔

## ادائیگی کی تاخیر، وجہ سود نہیں

جو لوگ ”قسطوں کی بیع“ کو اس وجہ سے سودی بیع کہتے ہیں کہ اس میں صرف ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے پیسے زیادہ لئے جاتے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے صاحب مضمون کہتے ہیں:

یہ استدلال صحیح نہیں، اسلئے کہ بیع شروع سے ہی معین قیمت پر ہوئی ہے کہ اتنے عرصے میں ادائیگی ہوگی اور اتنا ریٹ ہے۔ دوسرے ریٹ کی بات کی ہی نہیں ہوئی۔ اور ایسا جب فریقین کی رضامندی سے طے ہو جائے تو جائز ہے۔

## جواب

اس کے کئی جواب ہیں:

۱- صاحب مضمون پہلے خود ”قسطوں کی بیع“ کی اہم خصوصیات میں بیان کر چکے ہیں کہ (ا) ۱- سامان (قابل فروخت) فوری دیا جائے گا۔ ۲- قیمت مؤجل ہوگی اور قسطوں میں دی جائیگی۔ ۳- قیمت میں اضافہ تاخیر کا عوض ہے۔

(ب) پھر یہ بھی کہہ کر آئے ہیں کہ تیسری بات (قیمت میں اضافہ تاخیر کی نظیر ہے) میں اختلاف ہے۔

(ج) پھر کہتے ہیں کہ ”قیمت میں اضافہ تاخیر کی نظیر ہے“ کو جائز قرار دینے والوں کی دلیل یہی ہے کہ قیمت میں اضافہ تاخیر کی نظیر ہے۔ آپکو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ صاحب مضمون نے اپنے ان تینوں اقوال میں ”قسطوں کی بیع میں“ قیمت میں اضافہ کو تاخیر ادائیگی کا عوض و بدل ٹھہرایا ہے لیکن اب کہہ رہے ہیں کہ

”قیمت جو طے ہو رہی ہے وہ سامان (قابل فروخت) کی پوری قیمت ہے“

ان کے پچھلے تین اقوال اور اس قول میں واضح تضاد ہے، کیونکہ جب قیمت سامان کی پوری قیمت بن رہی ہو تو پھر ”قیمت میں اضافہ تاخیر کا عوض و بدل ہے“ باقی نہیں رہتا۔ اور جب ”قیمت میں اضافہ تاخیر کا عوض و بدل ہو“ سامان فروخت کی قیمت اس کی پوری قیمت نہیں ہو سکتی۔ یہ بالکل واضح بات ہے جسے ذہین اور کند ذہن سبھی جانتے ہیں۔

۲- دوسرا جواب یہ ہے کہ جب ساری قیمت جو قسطوں میں قابل ادا ہے سامان کی کل قیمت ہے اور ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا تو پھر تو یہ بیع ”قسطوں کی بیع“ رہتی ہی نہیں (کیونکہ قسطوں کی بیع میں تاخیر ادائیگی کی وجہ سے پیسے زیادہ دیئے پڑتے ہیں) اور جب یہ صورت ”قسطوں کی بیع“ والی بنتی ہی نہیں تو صاحب مضمون کا یہ جواب اسے سود کہنے والوں کیلئے جواب نہیں بنتا۔

۳- اگر قسطوں میں ادا ہونے والی رقم سامان فروخت کی کل قیمت ہے اور تاخیر ادائیگی کی وجہ سے ریٹ نہیں بڑھایا گیا تو اگر یکبارگی ساری رقم ادا کر دی جائے تو ریٹ کم نہیں ہونا چاہئے! جبکہ ایسا نہیں ہوتا۔

۴- ”قیمت (قابل ادا) کو سامان کی مکمل اور پوری قیمت کہنا“ اس کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ ”شروع سے ایک معین ریٹ ہی طے پایا تھا لیکن ابتدا میں ایسا ہو جانے سے وہ بیع صحیح نہیں ہو جاتی! دیکھئے:

ایک آدمی دوسرے سے کہتا ہے: میں تجھے یہ ”درہم“ ”ایک درہم اور چوتھائی درہم“ کے عوض ادھار بیچتا ہوں (جبکہ قیمت میں دونوں برابر ہوں)۔

یا کہتا ہے: میں تمہیں یہ سودا دو درہم میں ادھار بیچتا ہوں (جبکہ نقداً اس سودے کی قیمت دو درہم سے کم ہو) اور دوسرا آدمی کہہ دے: ”مجھے یہ بیع اور سودا قبول ہے“ اس سے ”درہم اور چوتھائی درہم“ ایک درہم کی پوری قیمت نہیں بنتی۔ نہ ہی دو درہم سامان کی پوری قیمت بنتے ہیں (بالکل قیمت زیادہ ہے) یہ اضافی ریٹ ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے ہے۔ تو اب یہ بیع اس دلیل سے جائز نہیں ہو جائیگی کہ ”بیع ابتداء ہی سے معین ریٹ پر ہوئی تو کل قیمت سامان کی پوری قیمت ہی ہے“۔

۵- شریعت جو ”نقد درہم کی ادھار درہم سے بیع“ کو سود قرار دیتی ہے ”قسطوں کی بیع“ کو بالاً ولی سود قرار دیتی ہے کیونکہ اس میں تو ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے قیمت زیادہ لی جاتی ہے جبکہ ”نقد درہم کی ادھار درہم سے بیع“ میں قیمت بھی زیادہ نہیں لی جاتی اور پھر بھی سود ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح جب شریعت میں ”نقد گندم کی ادھار جو سے بیع“ سود ہے تو قسطوں کی بیع بالاً ولی سود ہے۔ لہذا واضح ہو گیا کہ قسطوں کی بیع سود کی ایک شکل ہی ہے۔ ﴿وَاحْلَ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ اور اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔

۶- صاحب مضمون کی یہ بات: ”یہ جائز ہے جب بیع (فریقین کی) رضامندی سے ہوئی ہو“ کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ ”قسطوں کی بیع“ سودی بیع ہے (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور آگے بھی یہ بات اِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالٰی آرہی ہے) اور سود جب قرآن و حدیث کی نصوص سے ناجائز اور حرام ہے تو فریقین کی رضامندی سود اور سودی بیوع (جن میں قسطوں کی بیع بھی شامل ہے) کو جائز اور حلال نہیں کر سکتی۔

حدیث ”مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ“ الخ کے تین معانی

صاحب مضمون کہتے ہیں: ”اس طرح ان (قسطوں کی بیع کو حرام کہنے والوں) کا اس حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كُسُهُمَا أَوْ الرِّبَا))۔

سے استدلال قسطوں کی بیع۔ جس میں اضافی رقم دینا پڑتی ہے۔ پر منطبق نہیں ہوتا کیونکہ حدیث سے مندرجہ ذیل تین معانی میں سے ایک معنی مراد ہے اور تین میں قسطوں کی بیع شامل نہیں۔

(۱) ایک بیع میں دو بیعوں سے مراد ”بیع عینہ“ ہے جس کا مطلب ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور ادائیگی کا وقت معینہ مدت تک طے ہو جاتا ہے، پھر وہ چیز خریدنے والے سے نقد رقم پر کم قیمت میں خرید لیتا ہے۔

(۲) بعض نے کہا ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی چیز دو مرتبہ فروخت ہوتی ہے جیسے: ایک آدمی ایک مہینہ ادھار پر کوئی چیز بیچتا ہے، جب ادائیگی کا وقت آتا ہے، خریدار کے پاس قیمت موجود نہیں ہوتی، فروخت کنندہ اس پر اور پیسے چڑھا دیتا ہے، اسے دوبارہ نئے سرے سے نئی قیمت پر بیچتا ہے اور ادائیگی کی پہلی رقم اس کے ذمہ بدستور قائم رہتی ہے۔

(۳) بعض کہتے ہیں: حدیث کا معنی یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کو کوئی چیز فروخت کرے اور ساتھ شرط لگائے کہ خریدار بھی اسے کوئی دوسری چیز فروخت کرے۔

## جواب

میں کہتا ہوں اس کے کئی جواب ہیں:

جواب نمبر ۱- یہ حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوِ الرَّبَا))۔ صرف ایک، دو، تین یا چار، پانچ کو شامل نہیں بلکہ ہر اس بیع کو شامل ہے جس میں دو بیعیں کی جائیں۔ اور یہ بالکل واضح بات ہے جو کسی اہل علم سے مخفی نہیں؛ لہذا صاحب مضمون کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ”قسطوں کی بیع (جس میں اضافی رقم دینا پڑتی ہے) پر منطبق نہیں ہوتی“، صحیح نہیں، کیونکہ اس بات کی بنیاد اس نظریہ اور فکر پر ہے کہ حدیث صرف مذکورہ تین معانی پر ہی منحصر ہے، حالانکہ حدیث میں کوئی قصر ہے نہ حصر، جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں۔

جواب نمبر ۲- صاحب مضمون نے حدیث کو تین معانی میں بند کر کے رکھ دیا ہے، یہ بات کسی اہل علم سے ثابت نہیں، ہاں! بعض نے اس سے صرف ”بیع عینہ“ مراد لی ہے جیسا کہ آگے اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی آرہا ہے؛ بلکہ کئی علماء نے ”کوئی چیز نقد کم قیمت پر اور ادھار زیادہ قیمت پر بیچنے“ کو ہی ایک بیع میں دو بیعیں قرار دیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب جامع ترمذی میں فرماتے ہیں: ”وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا: بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ أَنْ يَقُولَ: أَبِيعُكَ هَذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بَعَشْرَةٍ، وَبِنَسِيئَةٍ بَعَشْرَيْنِ. وَلَا يُفَارِقُهُ عَلَى أَحَدِ الْبَيْعَيْنِ، فَإِذَا فَارَقَهُ عَلَى أَحَدِهِمَا فَلَا بَأْسَ إِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا“۔ اھـ [أبواب البيوع عن رسول الله باب ما جاء في النهي عن بيعتين في بيعة]

”بعض اہل علم نے وضاحت کی ہے کہ ایک بیع میں دو بیعیں یہ ہیں کہ آدمی ایک ہی مجلس میں کہے: میں یہ کپڑا آپ کو نقد دس درہم میں دیتا ہوں اور ادھار بیس درہم میں، لیکن اگر صرف ایک ہی قیمت (دس درہم) یا (بیس درہم) کہے اور سودا ہو جائے اور بائع و مشتری جدا جدا ہو جائیں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

محدث البانی رحمہ اللہ تعالیٰ إرواء الغلیل میں فرماتے ہیں: وَقَدْ مَضَى قَرِيبًا تَفْسِيرُهُ بِمَا ذَكَرَ عَنْ سِمَاكِ. وَكَذَا فَسَّرَهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ، فَقَالَ: يَعْنِي يَقُولُ: هُوَ لَكَ بِنَقْدٍ بَعَشْرَةٍ، وَبِنَسِيئَةٍ بَعَشْرَيْنِ. اھـ (۵/ ۱۵۱) پیچھے قریب ہی اس کی

تفسیر میں سماک کا قول ذکر ہوا ہے، اسی طرح عبدالوہاب بن عطاء نے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا: ”یعنی آدمی کہے: نقد آپ کے لئے دس میں ہے اور ادھار بیس میں“۔

عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ”مصنف“ میں لکھتے ہیں: قَالَ الثَّوْرِيُّ: إِذَا قُلْتَ: أَبِيعُكَ بِالنَّقْدِ بَكْذَا وَبِالنَّسِيئَةِ بَكْذَا وَكَذَا. فَذَهَبَ بِهِ الْمُشْتَرِي فَهُوَ بِالْخِيَارِ فِي الْبَيْعَيْنِ مَا لَمْ يَكُنْ وَقَعَ بَيْعٌ عَلَى أَحَدِهِمَا، فَإِنْ وَقَعَ الْبَيْعُ هَكَذَا فَهَذَا مَكْرُوهٌ، وَهُوَ بَيْعَتَانِ فِي بَيْعَةٍ، وَهُوَ مَرْدُودٌ وَهُوَ الَّذِي يُنْهَى عَنْهُ، فَإِذَا وَجَدْتَ مَتَاعَكَ بِعَيْنِهِ أَخَذْتَهُ، وَإِنْ كَانَ قَدْ اسْتَهْلَكَ فَلَكَ أَوْ كَسُ الثَّمَنِينِ، وَأَبْعُدُ الْأَجَلَيْنِ. [۱۳۸/۸] (۱۴۶۳۲)

امام ثوری رحمہ اللہ نے کہا: جب آپ کہیں کہ ”نقد آپ کو اتنے میں دوں گا اور ادھار اتنے میں“ کوئی ایک صورت طے ہونے کے بغیر گاہک اگر وہ چیز لے جائے تو اسے اختیار ہے دو قیمتوں میں سے جو مرضی ادا کر دے لیکن اگر اس طرح بیع طے ہو جائے تو ایسی بیع مکروہ ہے اور ایک بیع میں دو بیعیں ہیں جو کہ مردود اور ممنوع ہے، اگر آپ کو اپنا سامان بعینہ مل جائے تو اسے لے لو اور اگر خراب ہو چکا ہو تو دو قیمتوں میں جو کم ہے وہ لیں گے اور ادائیگی کے دو اوقات میں سے جو زیادہ تاخیر والا وقت ہے اس وقت وصول کریں گے۔

وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: لَا تَصْلُحُ الصَّفَقَتَانِ فِي الصَّفَقَةِ أَنْ يَقُولَ: هُوَ بِالنَّسِيئَةِ بَكْذَا وَكَذَا، وَبِالنَّقْدِ بَكْذَا وَكَذَا. ۱۳۸/۸۔ عبدالرزاق فرماتے ہیں: ہمیں اسرائیل نے خبر دی، اس نے کہا ہمیں سماک بن حرب نے بیان کیا از عبدالرحمان بن عبد اللہ کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک چیز کے دو سودے کرنا کہ ”ادھار اتنے کی اور نقد اتنے کی ہے“ درست نہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار میں فرماتے ہیں: ”قَوْلُهُ: مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ. فَسَرَهُ سِمَاكُ بِمَا رَوَاهُ الْمُصَنِّفُ عَنْ أَحْمَدَ عَنْهُ، وَقَدْ وَافَقَهُ عَلَى مِثْلِ ذَلِكَ الشَّافِعِيُّ، فَقَالَ: بَأْن يَقُولَ: بَعْتُكَ بِأَلْفٍ نَقْدًا أَوْ أَلْفَيْنِ إِلَى سَنَةٍ، فَخُذْ أَيُّهُمَا شِئْتَ أَنْتَ، وَشِئْتُ أَنَا، وَنَقَلَ ابْنُ الرَّفْعَةِ عَنِ الْقَاضِي أَنَّ الْمَسْأَلَةَ مَفْرُوضَةٌ عَلَى أَنَّهُ قَبِلَ عَلَى الْإِبْهَامِ. أَمَّا لَوْ قَالَ: قَبِلْتُ بِأَلْفٍ نَقْدًا، أَوْ بِأَلْفَيْنِ بِالنَّسِيئَةِ صَحَّ ذَلِكَ. وَقَدْ فَسَّرَ ذَلِكَ الشَّافِعِيُّ بِتَفْسِيرٍ آخَرَ، فَقَالَ: هُوَ أَنْ يَقُولَ: بَعْتُكَ ذَا الْعَبْدِ بِأَلْفٍ عَلَى أَنْ تَبِيعَنِي دَارَكَ بَكْذَا. أَيْ إِذَا وَجَبَ لَكَ عِنْدِي وَجَبَ لِي عِنْدَكَ، وَهَذَا يَصْلُحُ تَفْسِيرًا لِلرَّوَايَةِ الْآخَرَى مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ، لَا لِلأَوَّلَى فَإِنَّ قَوْلَهُ: فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا. يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ بَاعَ الشَّيْءَ الْوَاحِدَ بَبَيْعَةٍ بِأَقْلٍ وَبَبَيْعَةٍ بِأَكْثَرٍ. وَقِيلَ فِي تَفْسِيرِ ذَلِكَ: هُوَ أَنْ يُسْلِفَهُ دِينَارًا فِي قَفِيزٍ حِنْطَةٍ إِلَى شَهْرٍ، فَلَمَّا حَلَّ الْأَجَلُ، وَطَالَبَهُ بِالْحِنْطَةِ قَالَ: بَعْنِي الْقَفِيزَ الَّذِي لَكَ عَلَى إِلَيَّ شَهْرَيْنِ بِقَفِيزَيْنِ. فَصَارَ ذَلِكَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ الثَّانِي قَدْ دَخَلَ عَلَى الْأَوَّلِ فَيَرُدُّ إِلَيْهِ أَوْ كَسَهُمَا، وَهُوَ الْأَوَّلُ. كَذَا فِي شَرْحِ السُّنَنِ لِابْنِ رَسْلَانَ. ۱۳۸/۸۔ [كتاب البيوع باب

بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ ۲۴۹/۵]

حدیث ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ)) کی تفسیر سماک نے اسی طرح کی ہے جس طرح مصنف نے امام احمد کے واسطے سے سماک سے روایت کیا

ہے۔ امام شافعی کا قول بھی ان کے موافق ہی ہے، امام شافعی فرماتے ہیں: کہ حدیث کا مطلب ہے کہ آدمی مثال کے طور پر کہے: ”نقد ہزار کی اور ایک سال تک ادائیگی کر دو تو دو ہزار کی، جو آپ چاہتے ہیں وہ لے لیں اور جو میں چاہوں وہ لے لوں۔“

ابن رفعہ نے قاضی سے نقل کیا ہے کہ اس صورت میں جب بات مبہم اور غیر واضح ہو لیکن اگر وضاحت ہو جائے اور کہہ دے کہ: نقد ہزار کی مجھے منظور ہے، یا ادھار دو ہزار کی مجھے قبول ہے تو ایسا کرنا صحیح ہے۔

اس کی وضاحت امام شوکانی نے اور طرح بھی کی ہے کہ وہ کہے: یہ غلام میں تمہیں ایک ہزار میں فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تو اپنا گھر مجھے اتنی اتنی قیمت پر بیچے۔ یعنی جب غلام تیرا ہو جائے گا تو گھر میرا ہو جائے گا۔

یہ ابوصیریہ رحمہ اللہ کی دوسری روایت کی تفسیر تو بن سکتا ہے مگر پہلی روایت کی نہیں کیونکہ **فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا** (اس کیلئے کم قیمت لینا جائز ہے) کے الفاظ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ وہ ایک ہی چیز کی دو بیعیں کر رہا ہے: ایک بیع کی قیمت کم ہے جبکہ دوسری کی زیادہ۔ اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اس کا مطلب ہے کہ ایک آدمی کسی کو ایک دینار ادھار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مہینے بعد مجھے اس کے بدلے ایک قفیز گندم دے دینا، وقت آنے پر وہ اس گندم کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: آپ کا جو ایک قفیز میرے ذمہ ہے وہ مجھے بیچ دو اور دو مہینے بعد دو قفیز مجھ سے لے لینا۔

یہ ایک بیع میں دو بیعیں ہیں کیونکہ دوسری بیع پہلی بیع پر داخل ہوئی ہے۔ تو خریدار دو قیمتوں میں سے کم قیمت ہی ادا کرے گا اور وہ وہی پہلی (ایک قفیز ہی) ہے، شرح السنن لابن رسلان میں اسی طرح ہے۔ امام شوکانی کی بات ختم ہوئی۔

حدیث کے الفاظ: **”فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا“** کا مطلب ہے دونوں قیمتوں میں کم درجہ کی قیمت۔

علامہ خطاب فرماتے ہیں: لَا أَعْلَمُ أَحَدًا قَالَ بِظَاهِرِ الْحَدِيثِ ، وَصَحَّحَ الْبَيْعَ بِأَوْكَسِ الثَّمَنِ إِلَّا مَا حُكِيَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ ، وَهُوَ مَذْهَبُ فَاسِدٍ۔ اھـ [تحفة الأحوذی شرح جامع الترمذی لأبی العلا المبارک کفوری أبواب البيوع باب ماجاء فی النهی عن بيعتين فی بیعة ۴/ ۳۵۹] میں کسی کو نہیں جانتا جس نے حدیث کے ظاہر الفاظ کو سامنے رکھ کر ”دو قیمتوں میں سے کم قیمت والی بیع“ کو صحیح قرار دیا مگر امام اوزاعی اسے صحیح کہتے ہیں اور امام اوزاعی کا یہ نظریہ فاسد ہے۔ انتہی

یہ تو واضح ہے کہ امام اوزاعی نے جو فرمایا حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے؛ کیونکہ **”فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا“** کا یہی تقاضا ہے کہ دو قیمتوں میں سے کم قیمت لینا جائز ہے۔

قَوْلُهُ: ((أَوِ الرَّبَا)). يَعْنِي أَوْ يَكُونُ قَدْ دَخَلَ هُوَ وَصَاحِبُهُ فِي الرَّبَا الْمُحَرَّمِ إِذَا لَمْ يَأْخُذِ الْأَوْكَسَ ، بَلْ أَخَذَ الْأَكْثَرَ ، وَذَلِكَ ظَاهِرٌ فِي التَّفْسِيرِ الَّذِي ذَكَرَهُ ابْنُ رَسَلَانَ ، وَأَمَّا فِي التَّفْسِيرِ الَّذِي ذَكَرَهُ أَحْمَدُ عَنْ سِمَاكِ ، وَذَكَرَهُ الشَّافِعِيُّ فَفِيهِ مُتَمَسِّكٌ لِمَنْ قَالَ: يَحْرُمُ بَيْعُ الشَّيْءِ بِأَكْثَرِ مِنْ سَعْرِ يَوْمِهِ لِأَجْلِ النَّسَاءِ۔ اھـ [تحفة الأحوذی شرح

جامع الترمذی لأبی العلا المبارک کفوری أبواب البيوع باب ماجاء فی النهی عن بيعتين فی بیعة ۴/ ۳۵۹]۔

حدیث کے الفاظ: ((أَوِ الرَّبَا)) یعنی دو قیمتوں میں سے ”کم قیمت“ کی بجائے اگر ”زیادہ قیمت“ لے لے تو بائع اور مشتری دونوں حرام



سود میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ بات ابن رسلان کی بیان کردہ تفسیر میں واضح ہے۔ رہی وہ تفسیر جو امام احمد نے سماک سے ذکر کی ہے اور امام شافعی نے بھی ذکر کی ہے تو اس سے اس آدمی کے قول کو تقویت ملتی ہے جو کہتا ہے ”کسی چیز کو ادھار کی وجہ سے اس کی موجودہ قیمت سے زیادہ پر بیچنا حرام ہے۔“

ہماری ان نقل کردہ عبارات سے معلوم ہوا کہ بیع کی یہ شکل ”نقد دس کی، ادھار پندرہ کی“ نبی ﷺ کی اس حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا)) میں شامل ہے۔ اور بلاشبہ ”قسطوں کی بیع جس میں تاخیر ادائیگی کی وجہ سے قیمت زیادہ کی جاتی ہے“ اسی سے ہے۔ اور صاحب مضمون ان صورتوں میں جن پر حدیث منطبق ہوتی ہے اس صورت کا ذکر چھوڑ گئے ہیں۔

پھر ان کی یہ بات ”یہ حدیث قسطوں والی بیع پر منطبق نہیں ہوتی کیونکہ حدیث کا ان تینوں معانی۔ جن میں قسطوں والی بیع جس میں قیمت بڑھائی جاتی ہے شامل نہیں۔ میں سے ہی کوئی معنی مراد ہے“ فقہ و انصاف سے بالکل عاری ہے۔ جواب نمبر ۳۔ آپ یہ دیکھ چکے ہیں کہ صاحب مضمون نے کہا: بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کوئی چیز اس شرط پر فروخت کرے کہ خریدار اسے کوئی دوسری چیز فروخت کرے۔

حالانکہ پہلے یہ کہہ کر آئے ہیں کہ: حدیث سے تین معانی میں سے ہی کوئی ایک معنی مراد ہے۔ تو تاکیداً لکھ رہے ہیں کہ یہ صورت بھی حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا)) کے تحت داخل ہے۔

پہلے آپ امام شافعی کی تفسیر جو امام شوکانی نے نقل کی ہے بھی جان چکے ہیں کہ: میں تمہیں یہ غلام ایک ہزار کا اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ تم مجھے اپنا گھر اتنے میں فروخت کرو۔ پھر امام شوکانی نے فرمایا کہ یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ (رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع فرمایا) کی تفسیر بنتی ہے پہلی روایت کی نہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ ”فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا“ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نے ایک چیز کی دو بیعیں کیں ایک کم قیمت پر، دوسری زیادہ پر۔

تو تین صورتوں میں سے آخری تیسری صورت جس پر حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا)) صاحب مضمون کے ہاں منطبق ہوتی ہے لیکن یہ حدیث ان الفاظ سے اس صورت پر منطبق نہیں ہوتی۔

جواب نمبر ۴۔ بیع عینہ۔ ایک شخص کا دوسرے سے کوئی سامان ادھار خریدنا، پھر فروخت کنندہ کا خریدار سے نقداً اُسے کم قیمت پر لے لینا۔ بھی ان صورتوں سے نہیں جن پر حدیث ((فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا)) صادق آتی ہے کیونکہ حدیث میں ربا (سود) اضافی قیمت والی بیع کو کہا گیا ہے، کم قیمت والی بیع کو نہیں؛ جبکہ بیع عینہ میں معاملہ اس کے برعکس ہے، اس لئے کہ اس میں کم قیمت پر خریدنا حرام ہے، زیادہ قیمت پر خریدنا حرام نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ حدیث اس صورت کا ذکر کر رہی ہے جس میں بائع ایک ہی چیز کی دو بیعیں کرتا ہے: ایک کم قیمت والی اور دوسری زیادہ قیمت والی، جبکہ بیع عینہ میں ایسی صورت نہیں۔

جواب نمبر ۵۔ جب دو صورتیں ”بیع عینہ اور بیع بشرط بیع“ صاحب مضمون کی حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرِّبَا)) کے مصداق میں ذکر کردہ تین صورتوں سے نکل گئیں تو تین میں سے ایک صورت باقی رہ گئی جس کو حدیث شامل

ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کو کوئی چیز ایک مہینہ کے ادھار پر فروخت کرتا ہے، جب ادائیگی کا وقت آتا ہے خریدار کے پاس قیمت موجود نہیں ہوتی، تو بائع مشتری پر مزید بوجھ اس طرح ڈالتا ہے کہ وہی سامان اُسے دوبارہ نئی قیمت اور نئے ادھار پر فروخت کرتا ہے جبکہ پہلی قیمت بدستور اُس پر واجب الادا رہتی ہے۔ تو اس صورت میں ”دوسری بیع“ صاحب مضمون کے نزدیک بھی سود ہے۔ اور جو دلیل اس دوسری بیع کو سود ٹھہراتی ہے وہ بعینہ ان دو بیعوں میں سے پہلی بیع کو سود ٹھہراتی ہے جب اس میں نقد کی قیمت سے زیادہ قیمت ہو۔

اسی طرح بعینہ یہ دلیل قسطوں کی بیع کو بھی سود ٹھہراتی ہے کیونکہ قسطوں کی بیع دو بیعوں میں سے پہلی بیع ہے، جب اس میں نقد کی قیمت سے زیادہ قیمت ہو۔ یہ صورت بقیہ ایک صورت جیسی ہی ہے جو حدیث کے منطوق میں آتی ہے۔ ہاں! اتنا فرق ہے کہ قسطوں کی بیع میں ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے قیمت قسطوں کی شکل میں ادا کرنا ہوتی ہے، اور حکماً دونوں صورتیں ایک ہی ہیں۔ اس فرق سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو کیا وجہ ہے کہ صاحب مضمون دوسری نئی بیع کو تو حرام اور سود قرار دیتے ہیں اور پہلی بیع خواہ نقد قیمت سے مہنگی ہو، اسی طرح قسطوں کی بیع کو سود قرار نہیں دیتے ہیں؟

اگر تو وہ کہتے ہیں: قسطوں کی بیع میں ساری قیمت سامان کے مماثل اور اُس کی پوری قیمت ہے اور پہلی بیع دوسری نئی بیع کے علاوہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ محض دعویٰ ہے، حالانکہ صورت مذکورہ میں ”قسطوں کی بیع، پہلی بیع اور دوسری نئی بیع کے درمیان کوئی فرق نہیں؛ کیونکہ دوسری نئی بیع میں ساری قیمت جب سامان فروخت کی مماثل نہیں۔ کیونکہ تاخیر ادائیگی کی وجہ سے قیمت بڑھائی جا رہی ہے۔ تو قسطوں کی بیع اور پہلی بیع میں بھی تمام قیمت سامان فروخت کے مماثل نہیں کیونکہ ان میں بھی زیادہ قیمت لینے کا دار و مدار تاخیر ادائیگی پر ہے۔

## چند فوائد

فائدہ اولیٰ: اکثر علماء نے ایک بیع میں دو بیعوں کی ممانعت کی وجہ معاملہ کے مبہم اور مجہول ہونے کو ٹھہرایا ہے۔ یہ بات ان اقوال سے ظاہر ہے جو شوکانی نے نیل الاوطار میں اور دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کئے ہیں۔ ”ایک بیع میں دو بیعوں“ کی بعض صورتوں میں یہ وجہ ہو سکتی ہے لیکن اس حدیث: ((مَنْ بَاَعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوِ الرَّبَا))۔ میں منع کی علت یہ وجہ نہیں بلکہ اس میں ممانعت کی وجہ اس کا سود ہونا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے اس کی وضاحت کی ہے۔

فائدہ ثانیہ: بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ایک بیع میں دو بیعوں کے منع کی علت کا وہ احتمال ہو سکتا ہے جو متنازع فیہ مسئلہ سے خارج ہے، جس طرح ابن رسلان کا قول پیچھے گزرا ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس صورت میں واقع ہونے والی بیع ”نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی“ کو منع کہہ سکتے ہیں لیکن اگر شروع میں ایک ہی بات کرے کہ ”ادھار اتنے کی دوں گا“ (اور اس کی قیمت اس روز کے ریٹ سے زیادہ ہو) تو ایسی بیع جائز ہے، ویسے اس حدیث کا تمسک کرنے والے (دلیل پکڑنے والے) اس صورت سے منع کرتے ہیں؛ حالانکہ حدیث میں یہ معنی موجود نہیں، تو دلیل دعویٰ سے اخص ہے۔ (انتہی)

میں کہتا ہوں: ۱- اس کا یہ قول کہ ایک بیع میں دو بیعوں کے منع کی علت کا وہ احتمال ہو سکتا ہے جو متنازع فیہ مسئلہ..... اگر تسلیم کر لیا جائے تو بھی متنازع فیہ مسئلہ پر حدیث سے کئے گئے استدلال میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ حدیث عام ہے اور وہ ابن رسلان کی ذکر کردہ صورت اور متنازع فیہ صورت دونوں کو شامل ہے اور حدیث کے عموم سے متنازع فیہ مسئلہ کو خاص اور مستثنیٰ کرنے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

یہ بات بھی ہے کہ ابن رسلان کی ذکر کردہ بیع کی صورت اس طرح بنتی ہے: ایک قفیز گندم کے عوض، دو قفیز گندم، دو مہینے بعد۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ایک قفیز گندم کی دو قفیز کے ساتھ بیع منع اور سود ہے خواہ ایک دو دن یا مہینہ دو مہینہ تک کی مدت حائل نہ ہو بلکہ تاخیر ادائیگی کا اس میں دخل تک نہ ہو اور قیمت کی زیادتی بھی تاخیر کی وجہ سے نہ ہو۔ تو ابن رسلان کی ذکر کردہ صورت میں دوسری بیع منع اور سود بنتی ہے خواہ شروع سے ہی ایسا طے کیا جا رہا ہو۔ ہماری اس بات سے واضح ہو گیا کہ ابن رسلان کی ذکر کردہ صورت اس حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرَّبَا)) کی تشریح میں داخل نہیں ہوتی۔ لہذا ان کا یہ کہنا کہ: ایک بیع میں دو بیعوں کے منع کی علت کا وہ احتمال ہو سکتا ہے جو متنازع فیہ مسئلہ ہے درست نہیں، کیونکہ حدیث میں ابن رسلان کی تفسیر والا احتمال بالکل نہیں پایا جاتا۔ ابن رسلان کا احتمال پیچھے حدیث کی تفسیر میں نے صرف بطور نقل و حکایت ذکر کیا ہے۔

ہماری اس ساری بات چیت سے واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ کی حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرَّبَا)) کا مصداق ایک صورت ہو یا کئی صورتیں، انہیں ان چیزوں پر مشتمل ہونا چاہئے۔

۱- وہ صورت ایسی ہو کہ اس میں ایک چیز کی دو بیعیں ہوں۔ ۲- وہ دونوں بیعیں ایک بیع میں ہوں۔ ۳- ان دونوں میں سے ایک بیع کم قیمت پر ہو۔ ۴- ان میں سے ایک کم قیمت والی بیع حلال ہو، سود نہ ہو

۵- دونوں میں سے ایک بیع زیادہ قیمت والی ہو۔ ۶- دونوں میں سے زیادہ قیمت والی بیع حرام اور سود ہو۔ ۷- دونوں بیعوں میں بائع (بیچنے والا) ایک ہو۔ ۸- دونوں بیعوں میں سے اکثر اور زیادہ قیمت والی بیع کی حرمت کا سبب سود ہو۔ ۹- دونوں بیعوں میں سے جس چیز کو فروخت کیا جا رہا ہو وہ ایک ہی چیز ہو۔ ۱۰- ایسی بیع کی حرمت۔ جس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس میں مندرجہ بالا نو چیزیں جمع ہوں۔

اور ابن رسلان کی ذکر کردہ صورت میں بائع (فروخت کنندہ) بدل گیا ہے، کیونکہ پہلی بیع میں جو بائع ہے، دوسری بیع میں وہ مشتری (خریدار) ہوتا ہے۔ اور پہلی بیع میں جو مشتری ہوتا تھا، دوسری بیع میں وہ بائع بنتا ہے۔ لہذا واضح ہو گیا کہ ابن رسلان نے جو صورت ذکر کی ہے وہ ان صورتوں سے نہیں جن پر نبی ﷺ کی حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرَّبَا)) صادق آتی ہے۔

۲- بائع جب شروع سے صرف یہی کہے کہ ”ادھارا تنے کی“ اور یہ نہ کہے کہ ”نقد اتنے کی“ اور ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے قیمت زیادہ لگائے تو تحقیقاً تو یہ ایک بیع ہے اور تقدیراً یہ دو بیعیں ہیں؛ اس لئے کہ وہ زیادہ پیسے ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے لے رہا ہے۔ اور نبی ﷺ کا فرمان: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرَّبَا))۔ دو بیعوں کو مشتمل ہے، خواہ وہ حقیقی ہوں، یا ان میں سے ایک حقیقی ہو اور دوسری مخفی اور تقدیری۔ تو دلیل دعویٰ سے اخص نہیں۔

۳۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر شروع سے ہی کہا جائے کہ ”ادھار اتنے کی“ اور ادھار کی وجہ سے پیسے بھی زیادہ لگالے۔ تو یہ حدیث کے منطوق میں داخل نہیں ہوتا لیکن ہم کہتے ہیں: ”حدیث کے مفہوم میں یہ چیز داخل ہے، کیونکہ دوسری بیع یعنی ”ادھار اتنے کی“ اور ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے قیمت بھی زیادہ لگالے تو یہ سودی بیع ہے (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) خواہ ”نقد اتنے کی“ کہہ کر کہے اور خواہ اس کے بغیر صرف یہی کہے کہ ”ادھار اتنے کی“ مفہوم سے جو بات سمجھ میں آتی ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ ﴿وَلَا تَقُلْ لَهُمْ أَفٍّ﴾۔ اور انہیں (والدین کو) اُف نہ کہو۔ اور نبی ﷺ کا فرمان: ((لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ))۔ الحدیث (تم میں سے ہرگز کوئی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے) [صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب النہی عن البول فی الماء الراقد (۲۸۲)] اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ جب والدین کو اُف کہنا حرام ہے تو جوتے کے ساتھ مارنا بھی حرام ہے۔ اور کھڑے پانی میں پیشاب کرنا حرام ہے تو پاخانہ کرنا بھی حرام ہے۔ تو کیا یہ کہا جائے گا کہ آیت اور حدیث میں تو یہ بات نہیں آئی کہ والدین کو جوتے کے ساتھ مارنا حرام ہے، اور کھڑے پانی میں پاخانہ کرنا حرام ہے، اسلئے کہ دلیل دعویٰ سے اخص ہے؟ ”نہیں، ہرگز نہیں“ کیونکہ استدلال مفہوم سے ہی لیا گیا ہے اور یہ صحیح استدلال ہے، اسی طرح جو استدلال ہم کر رہے ہیں وہ بھی مفہوم سے ہی سمجھ آ رہا ہے، لہذا ان کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ”حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ دلیل دعویٰ سے اخص ہے۔“

۴۔ ان کا استدلال ”علت کے ساتھ استدلال کرنے کی قبیل سے ہے کیونکہ یہ صورت کہ: ”میں نقد تمہیں یہ چیز دس درہم کی دیتا ہوں اور یہی چیز ادھار پندرہ درہم کی دیتا ہوں“ دوسری بیع کی حرمت کی علت ”سود“ کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ اور اگر کوئی آدمی کوئی چیز ادھار اس وجہ سے موجودہ ریٹ سے زیادہ پر بیچتا ہے کہ پیسے تاخیر سے ملنے ہیں تو شروع سے ہی صرف ادھار کی وجہ سے چیز کو زیادہ قیمت پر بیچنا سود ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قسطوں کی بیع میں نقد قیمت سے زیادہ لینا اسی قبیل سے ہے، تو پھر قسطوں کی بیع کیسے جائز ہوئی جبکہ وہ سود پر مشتمل ہے؟

فائدہ ثالثہ: بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ”نبی ﷺ کی حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرَّبَا))۔ ضعیف اور شاذ ہے لہذا اس سے حجت پکڑنا اور استدلال کرنا صحیح نہیں“۔ لیکن ان کی یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ حدیث حسن اور صحیح ہے، نہ ضعیف ہے، نہ شاذ اور نہ معلل؛ لہذا اس سے حجت پکڑنا اور استدلال کرنا درست ہے۔

محدث البانی رحمہ اللہ تعالیٰ إرواء الغلیل میں فرماتے ہیں: ۱۳۰۷۔ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ ((صَفَقَتَانِ فِي صَفَقَةٍ بَاءً)) صحیح، الخ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ایک چیز کے دو سودے کرنا سود ہے۔“

البانی صاحب فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے شواہد ابوہریرہ، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ملتے ہیں۔ ابوہریرہ والی حدیث: ((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ

فِي بَيْعَةٍ)). [النسائی (۲/۲۷۷) الترمذی (۱/۲۳۲)، ابن الجارود (۶۰۰)، ابن

حبان (۱۱۰۹)، البیہقی (۵/۳۴۳)، أحمد (۲/۴۳۲، ۴۷۵، ۵۰۳)] امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ میں کہتا

ہوں: اس کی سند حسن ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا أَوْ الرَّبَّاءُ))۔ [مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۱۹۲)، أبو داود (۳۴۶۰)، ابن حبان (۱۱۱۰)، الحاکم (۲/۴۵)، البیہقی (۵/۳۴۳)۔ امام حاکم نے کہا: مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی، ابن حزم نے بھی الحلی (۱۶/۹) میں اسے صحیح کہا، اسی طرح عبدالحق نے اپنی کتاب ”الأحكام“ میں اس حدیث کو (پہلے الفاظ کے ساتھ) صحیح کہا۔ میں کہتا یہ صرف ”حسن“ ہے کیونکہ محمد بن عمرو کے حافظے میں تھوڑا سا کلام ہے۔ امام بخاری نے باقی راویوں کے ساتھ ملا کر اس سے روایت کی ہے، اور امام مسلم نے متابعت میں۔ حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں: صَدُوقٌ لَهُ أَوْ هَامٌ۔ (صدوق ہے اور اسے بعض دفعہ وہم بھی ہوئے ہیں) البانی رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوا فائدہ رابعہ: بعض کہتے ہیں: حدیث تو صحیح ہے لیکن منسوخ ہے۔ لیکن ان کی یہ بات محض دعویٰ ہے، قرآن وحدیث سے اس کے نسخ کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ اور منسوخ جیسے مسائل صرف دعویٰ کرنے سے ثابت نہیں ہوتے خواہ بڑے بڑے علماء ہی اس کا دعویٰ کریں۔

صاحب مضمون لکھتے ہیں ”اسی طرح ان کا عبد اللہ بن عباس کے اس قول: ”إِذَا اسْتَقَمْتُ أُنَى قَوِّمَتِ السِّلْعَةَ بِنَقْدٍ، ثُمَّ بَعْتُ بِنَقْدٍ فَلَا بَأْسَ، وَإِذَا اسْتَقَمْتُ بِنَقْدٍ ثُمَّ بَعْتُ بِنَسِيئَةٍ فَنِلَكَ دَرَاهِمُ بِدَرَاهِمٍ“۔ (جب تو چیز کی قیمت نقد کی لگائے پھر نقد بیچ دے تو کوئی حرج نہیں، اور جب نقد کی قیمت لگائے اور ادھار بیچے تو یہ درہموں کی درہموں سے بیچ ہے) (جو جائز نہیں)۔

سے حجت پکڑنا صحیح نہیں؛ اس لئے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول اتنے ہی درجہ کے ایک دوسرے قول کے معارض اور برعکس ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ جائز ہے جب فریقین جدا ہونے سے پہلے ایسی بیع پر متفق ہو جائیں۔ اور پھر عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی اس کا جواز مروی ہے۔ انتہی

میں کہتا ہوں: ۱۔ ہم ایک چیز کے ”نقد ایک قیمت پر اور ادھار اس سے زیادہ قیمت پر بیچے کو، اسی طرح قسطوں کی بیع کو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول یا دوسری موقوف اور مقطوع روایات کی بناء پر حرام نہیں سمجھتے، ہم نے تو اپنے اس دعویٰ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع، حسن اور صحیح حدیث سے ثابت کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابن عباس اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول تو ہم صرف تمہیں یہ بتانے کیلئے ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کیا اور اس پر فتویٰ بھی دیا۔

۲۔ صاحب مضمون نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے کئے گئے استدلال کو اس دلیل سے غیر صحیح کہا ہے کہ وہ اتنے ہی درجے کے دوسرے اقوال سے معارض ہے اور ٹکراتا ہے۔ صاحب مضمون کی یہ دلیل بڑی عجیب وغریب ہے، کیونکہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ تم جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا جواز ثابت کر رہے ہو یہ صحیح نہیں اس لئے کہ ابن عباس کا وہ قول جو جواز والا ہے ان کے دوسرے عدم جواز والے قول: ”إِذَا اسْتَقَمْتُ بِنَقْدٍ ثُمَّ بَعْتُ“ الخ کے معارض ہے؟ پھر ابن مسعود کے قول: ”الْصَّفَقَتَانِ فِي صَفَقَةٍ رِبَا“ کے بھی معارض ہے؟۔

۳۔ پھر ابن عباس - رَضِيَ عَنْهُمَا اللَّهُ رَبُّ النَّاسِ - سے اس کے جواز کا جو قول مروی ہے وہ ان سے ثابت ہی نہیں، چنانچہ محدث البانی رحمہ اللہ تعالیٰ إرواء الغلیل میں لکھتے ہیں: ”أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي الْبَابِ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا بَأْسَ أَنْ يَقُولَ لِلْسِّلْعَةِ هِيَ بِنَقْدٍ بَكْذَا، وَبِنَسِيئَةٍ بَكْذَا، وَلَكِنْ لَا يَفْتَرِقَا إِلَّا عَنْ رَضَى. قُلْتُ: وَهَذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ مِنْ

أَجَلٍ أَشْعَثَ هَذَا ، وَهُوَ ابْنُ سَوَّارٍ الْكِنْدِيُّ ، وَهُوَ ضَعِيفٌ كَمَا فِي التَّقْرِيبِ ، وَإِنَّمَا أَخْرَجَ لَهُ مُسْلِمٌ مُتَابَعَةً . (۱۵۲/۵) .

ابن ابی شیبہ نے اس باب میں اشعث از عکرمہ از ابن عباس روایت کیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سامان کیلئے یہ کہنا کہ ”نقد اتنے کا اور ادھارا اتنے کا (سودا کر کے) دونوں (بائع اور مشتری) اگر رضا مندی سے جدا ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں“ میں کہتا ہوں: اشعث ابن سوار کنندی کی وجہ سے یہ سند ضعیف ہے کیونکہ وہ ضعیف ہے۔ جیسا کہ تقریب میں ہے، امام مسلم نے ان کی احادیث متابعت کے طور پر روایت کی ہیں۔ انتہی (۱۵۲/۵)

۴- عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے جواز کی روایت سے اگر صاحب مضمون کا اشارہ سنن ابی داؤد کی مندرجہ ذیل روایت کی طرف ہے: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهُ أَنْ يُجَهَّزَ جَيْشًا فَنَفَدَتِ الْإِبِلُ ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ عَلَى قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ ، فَكَانَ يَأْخُذُ الْبَعِيرَ بِالْبُعَيْرَيْنِ إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ . (مشکوۃ المصابیح بتحقيق الألبانی ۸۵۸/۲) .

عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے انہیں ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا، اونٹ کم پڑ گئے تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: صدقے کی اونٹیاں آنے تک ادھار لے لو، چنانچہ وہ صدقے کے اونٹ آنے تک دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ لیتے تھے (یعنی جس سے ادھار اونٹ لیتے اسے کہتے کہ جب صدقے کے اونٹ آئیں گے تو ہم تمہیں ایک کی بجائے دو اونٹ دیں گے)

تو اس روایت کے بارے میں محدث البانی کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ (مشکوۃ المصابیح بتحقيق الألبانی ۸۵۸/۲) .  
پھر سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے جو کہ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، احمد، ابویعلیٰ اور المختارۃ للضیاء میں ہے: (أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً) . نبی ﷺ نے حیوان کی حیوان کے ساتھ ادھار بیع سے منع فرمایا۔  
ترمذی اور ابن الجارود نے اسے صحیح کہا جیسا کہ ”تنقیح الرواة فی تخریج أحادیث المشكاة“ میں ہے۔ صاحب تنقیح فرماتے ہیں: عبد اللہ بن احمد نے اسی طرح جابر بن سمرہ کی حدیث روایت کی ہے۔ انتہی

۵- عبد اللہ بن عباس کا قول ”موقوف“ ہے اور موقوف روایت حجت نہیں ہوتی؛ خصوصاً جب وہ ایک دوسری موقوف روایت کے معارض ہو جیسے یہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول: ”إِذَا اسْتَقَمْتُ بِنَقْدٍ“ الخ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول: ”الْصَّفَقَتَانِ فِي صَفَقَةٍ رَبًّا“ کے معارض ہے بلکہ مرفوع حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرَّبًّا)) . کے بھی مخالف ہے۔

پھر صاحب مضمون کے اپنے طریقے اور منہج کے مطابق بھی یہ دلیل صحیح نہیں بنتی کیونکہ وہ اس کی مثل سے معارض ہے، چنانچہ انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ ”نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَفَقَتَيْنِ فِي صَفَقَةٍ“ (رسول اللہ ﷺ نے ایک سودے میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا) جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے انہوں نے فرمایا: ”الْصَّفَقَتَانِ فِي صَفَقَةٍ رَبًّا“ ایک سودے میں دو سودے کرنا سود ہے۔

۶- عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بنی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: اِنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ وَاحِدَةٍ ، وَعَنْ شَفٍّ مَا لَمْ يَضْمَنْ ، وَعَنْ بَيْعٍ وَ سَلَفٍ . (شرح السنۃ - ۱۴۱/۸)۔

آپ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا، نفع اور فائدہ لینے سے منع فرمایا جب تک ضامن نہ بن جائے اور بیع و سلف سے منع فرمایا۔

صاحب شرح السنۃ فرماتے ہیں: ایوب از عمرو بن شعیب از اُبیہ از جدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (( لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ وَلَا رِبْحٌ مَا لَمْ يَضْمَنْ ، وَلَا بَيْعٌ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ ))۔ ’سلف و بیع جائز نہیں، ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں، ایسی چیز کا منافع لینا جائز نہیں جس کا ابھی ضامن نہیں بنا اور نہ ایسی چیز کی بیع جائز ہے جو تیرے پاس موجود نہیں۔‘

پھر اس کے بعد صاحب شرح السنۃ لکھتے ہیں کہ ((وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ))۔ سے مراد یہ ہے کہ کہے: ”میں تمہیں یہ غلام نقد ہزار کا دیتا ہوں اور ادھار دو ہزار کا“ تو یہ ایک بیع میں دو بیع ہی ہیں۔ انتہی (۱۲۴/۸-۱۲۵)

محدث البانی إرواء الغلیل میں فرماتے ہیں: عبداللہ بن عمرو کی حدیث عمرو بن شعیب از اُبیہ از جدہ کی روایت سے مرفوعاً مروی ہے جس کا بیان ایک حدیث سے پہلے گزر چکا ہے، اس کے الفاظ ابوہریرہ کی پہلی حدیث والے ہی ہیں: (نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ)۔ عبداللہ بن عمرو کی یہ حدیث ابن خزیمہ اور بیہقی میں موجود ہے اور امام احمد اس حدیث کے ضمن میں اسے لائے ہیں جو پہلے گزر چکی ہے، بعض نے اسے ((وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعَةٍ))۔ (ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں) کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔ ظاہر ایہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں الفاظ کا معنی ایک ہی ہے کیونکہ دونوں الفاظ عمرو بن شعیب کی سند سے ہی مروی ہیں، بعض رواۃ نے پہلے الفاظ روایت کئے ہیں اور بعض نے دوسرے۔ پھر غریب الحدیث (۱۸/۱) میں ابن قتیبہ کا قول بھی اس کی تائید کرتا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”ممنوع بیوع سے ”شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ“ (ایک بیع میں دو شرطیں) بھی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی دو مہینوں کے لئے دو دینار پر ایک چیز خریدتا ہے، اور اگر تین مہینوں کے لئے خریدے تو تین دینار کی خریدتا ہے، یہ ایک ”بیع میں دو بیع“ کے معنی میں ہی ہے۔ سماک سے مذکور اس کی تفسیر قریب ہی گزری ہے، اسی طرح عبدالوہاب بن عطاء اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی کہے: ”نقد یہ تیرے لئے دس کی ہے اور ادھار بیس کی“۔ انتہی (۱۵۱/۵) اس کی تائید بغوی کی اس حدیث: ((وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ))۔ کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے جسے ہم پہلے نقل کر آئے ہیں، انہوں نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے: ”فَمَعْنَاهُ مَعْنَى الْبَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ“۔ کہ اس کا معنی ایک بیع میں دو بیع کرنا ہی ہے۔

صاحب تہذیب السنن (رَحِمَهُ اللّٰهُ ذُو الْمَنَنِ) بیع عینہ کی حرمت کے دلائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: چھٹی دلیل ابوداؤد میں ابوہریرہ کی حدیث ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كُسُهُمَا أَوْ الرِّبَا))۔ علماء کے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ کہے: نقد (یہ چیز) تمہیں دس کی، یا ادھار بیس کی دیتا ہوں۔ یہی بات احمد نے سماک سے روایت کی ہے، چنانچہ ابن

مسعود بنی ہاشم والی حدیث: ”نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَفَقَتَيْنِ فِي صَفَقَةٍ“ کی تفسیر میں سماک فرماتے ہیں: ”آدمی ایک چیز بیچتا ہے تو کہتا ہے: ادھار اتنے کی بیچنا مجھے منظور ہے اور نقد اتنے کی“۔ لیکن یہ تفسیر ضعیف ہے کیونکہ اس صورت میں ربا (سود) نہیں بنتا اور نہ ہی دو سودے بنتے ہیں بلکہ یہ دو قیمتوں میں سے ایک کے ساتھ ایک ہی سودا ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ کہے: میں یہ چیز تمہیں ایک سال کے ادھار پر ایک سو کی اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ اسے تجھ سے ابھی اسی کی خریدوں گا۔ بس حدیث کا یہی معنی ہے، کوئی اور معنی نہیں، اور یہ آپ ﷺ کے قول: ((فَلَهُ أَوْ كَسْهُمَا أَوْ الرِّبَا)) کے بھی مطابق ہے۔ کیونکہ یا تو وہ زائد قیمت لے گا جو کہ سود ہے، یا پہلی قیمت لے جو کہ کم ہے۔ یہ صورت ایک سودے میں دو سودے والی بنتی ہے، کیونکہ اس نے نقد و ادھار کے دونوں سودوں کو ایک سودے اور ایک بیع میں جمع کر دیا ہے، اور وہ فوری اور نقد تھوڑے درہم دے کرتا خیر سے زیادہ درہم لینا چاہتا ہے حالانکہ وہ اپنے اصل مال۔ جو کہ دو قیمتوں سے کم قیمت ہے۔ کا مستحق ہے، لیکن اگر وہ زائد ہی لے تو اس نے سود لیا۔ انتہی (۱۰۵/۵-۱۰۶)

اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسری صورت میں اسی کی سو کے ساتھ بیع کی گئی اور یہ بیع سود ہے، اور اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پہلی صورت میں دس کو بیس کے ساتھ بیچا گیا، اور یہ بیع بھی سود ہے۔ تو پہلی صورت کو چھوڑ کر صرف دوسری صورت کو سود بنانا منحلّم اور سیدہ زوری کے علاوہ کچھ نہیں۔

پہلے ہم بیان کر آئے ہیں کہ جب دس نقد کی دس ادھار سے بیع سود ہے تو دس نقد کی بیس ادھار سے بیع بالاولیٰ سود ہے، ربا سامانِ فروخت! تو جس طرح وہ دوسری صورت میں حیلہ ہے اُسی طرح پہلی صورت میں بھی وہ حیلہ ہی ہے۔

پھر پہلی صورت میں اگر دو قیمتوں میں سے ایک قیمت کے ساتھ ایک ہی سودا ہے، اور اگر دوسری صورت میں ایک سودے میں دو سودے اس لئے بنتے ہیں کہ یہ صورت نقد اور ادھار کے دونوں سودوں کو ایک سودے اور ایک بیع میں جمع کرتی ہے اور مالک تھوڑے درہموں کی بجائے زیادہ درہم لینا چاہتا ہے تو پہلی صورت میں بھی ایک سودے میں دو سودے بنتے ہیں کیونکہ یہ صورت بھی نقد اور ادھار کے دونوں سودوں کو ایک سودے اور ایک بیع میں جمع کرتی ہے اور اس کا مالک بھی تھوڑے درہموں کی بجائے زیادہ درہم لینا چاہتا ہے الخ

علاوہ ازیں صاحب تہذیب السنن کے قول کہ ”یہ دو قیمتوں میں سے ایک کے ساتھ ایک ہی سودا ہے“ اس کی بنیاد پہلی تفسیر میں وارد مثال ”بِعْتُكَ بِعَشْرَةٍ نَقْدًا، أَوْ عَشْرِينَ نَسِيئَةً“ کے لفظ ”أَوْ“ (یا) پر ہے۔ لفظ ”أَوْ“ تردّد اور ابہام پر دلالت کرتا ہے، لیکن پہلے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بعض نے حدیث کی یہ تفسیر ”أَوْ“ کی بجائے ”و“ (اور) کے ساتھ کی ہے؛ لہذا پھر تردّد باقی رہتا ہے اور نہ کوئی ابہام، اس وقت یہ صورت دو بیع پر مشتمل ہوگی جن میں سے ایک کم قیمت پر ہوگی اور دوسری زیادہ قیمت پر، پہلی نقد پر ہوگی اور دوسری ادھار پر۔

پھر صاحب تہذیب کے اس کلام میں کئی اور مقام قابلِ نظر ہیں جو کہ ہماری سابقہ بحث اور خصوصاً نبی ﷺ کے اس قول: ((مَنْ



بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرَّبَا)). کہ کس پر صادق آتا ہے اور کس پر صادق نہیں آتا؟ کی تفصیل پر غور کرنے سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

صاحب مضمون کہتے ہیں: اس طرح قسطوں کی بیع کی ممانعت پر ان کا استدلال کہ اس سے سود اور فضول خرچی کا دروازہ بند ہوگا الخ اس بات کی کوئی قدر و قیمت نہیں جب کہ نبی ﷺ نے فرمادیا: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرَّبَا)). یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے قسطوں کی بیع کو بھی شامل ہے کیونکہ اس میں بھی نقد قیمت سے زیادہ وصول کی جاتی ہے (جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے)۔

’قسطوں کی بیع‘ افراد، خاندانوں اور سوسائٹیز پر کیا بھیانک اور برے اثرات مرتب کرتی ہے؟ اس کے بارے میں اگر آپ صحیح معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں تو الریاض السیریم کورٹ کے قاضی الشیخ عبداللہ بن ناصر السلمان حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”وجوب حفظ المال وأثر التقسيط عليه“ پڑھیں، قطع نظر اس بات کے کہ قسطوں کی بیع جائز ہے یا ناجائز۔

اور اگر آپ بیوع کے حیلوں کے بارے میں جو آخر کار سود تک لے جاتے ہیں۔ کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں تو بیع عینہ وغیرہ کی حرمت کے اثبات کے متعلق حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”تہذیب السنن“ میں جو لکھا ہے وہ پڑھیں، انہوں نے اس مسئلہ پر بہت عمدہ اور اچھے پیرائے میں کلام کیا ہے مگر بعض مقامات پر ان سے تسامح ہوا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی چیز کی ”نقد بیع (مثلاً) دس کی، اور ادھار پندرہ کی“ جائز نہیں، اور اس بیع کی صورتوں میں سے قسطوں کی بیع بھی ہے جس میں ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے نقد کی قیمت سے زیادہ لی جاتی ہے۔ دلیل اس کی نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسَهُمَا أَوْ الرَّبَا)).

اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کو۔ خواہ شروع میں صرف ادھار کی ہی بات ہو۔ اس کو موجودہ قیمت سے زیادہ پر بیچنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں سود داخل ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرمائے جن میں اس کی رضا ہے، اور ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے آل و اصحاب پر کثرت سے درود و سلام بھیجے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنْ لَدَيْكُمْ